

فسادات کا مسئلہ

مولانا وحید الدین خاں

مطبوعات اسلامی مرکز



فسادات کا مسئلہ

مولانا وحید الدین خاں

۲	تمہید
۳	بے برداشت نہ بنو
۶	چھوٹے شر کو نظر انداز کرو
۸	آپ مشغول نہیں ہوئے
۱۱	حلف الفضول
۱۳	جو لوگ پیکار پر دوڑ پڑتے تھے
۱۵	پتھر سے پانی
۱۶	صبر کا طریقہ
۱۹	قدرت کا سبق
۲۱	فسادات کا مسئلہ اور اس کا حل
۳۱	سختی ہونا ضروری ہے
۳۲	یہ اسلام نہیں

مکتبہ الرسالہ سی - ۲۹ ، نظام الدین ولیٹ ، نئی دہلی ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کسی کے گھر میں آگ لگ جائے تو وہ اس کو بھانے کے لئے فوراً حرکت میں آجاتا ہے۔ تاہم ایسے موقع پر حرکت میں آنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ اس دنیا کے مالک نے آگ بھانے کا جو اصول مقرر کیا ہے اس کے مطابق آگ بھانے کی کوشش کی جائے۔ دوسرے یہ کہ جوش میں آکر کوئی خود ساختہ حرکت شروع کر دی جائے۔ انسان آزاد ہے کہ دونوں میں سے جو عمل چاہے اختیار کرے۔ مگر یہ یقینی ہے کہ دونوں کا انجام اس دنیا میں یکساں نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے آگ کو بھانے کے لئے پانی پھرنے کا قانون مقرر کیا ہے اس کو آپ پھر دل چیر کر نہیں بھا سکتے۔ ایسی ہر کوشش صرف اپنی مصیبت میں اضافہ کے ہم معنی ہوگی۔

یہی معاملہ زندگی کے دوسرے مسائل کا بھی ہے، خدا نے اپنی دنیا میں کامیابی کا راز اگر صبر میں رکھا ہے تو آپ اس کو جلد بازی کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتے۔ خدا نے اگر ایک دائمی نتیجہ کو عملی حد و حد سے وابستہ کر دیا ہے تو آپ تقریروں اور بیانات کی دھوم مچا کر اس نتیجہ کو اپنے لئے برآمد نہیں کر سکتے۔ خدا نے اس دنیا کے مسائل کا حل اگر حقیقت پسندانہ طریق عمل میں رکھا ہے تو آپ جذباتیت کے طریقہ پر چل کر اپنے دماغ کو نہیں پاسکتے۔ خدا نے اگر افراد کی خاموش تعمیر میں اصلاح کا راز رکھا ہے تو آپ اجتماعی شور و غل کے ذریعہ اصلاح کے مقصد تک نہیں پہنچ سکتے۔ خدا اگر یہ چاہتا ہے کہ آدمی اپنی فطرت کا اعتراف کر کے اپنا کام بنائے تو آپ دوسروں کو ملزم ثابت کر کے اپنا کام نہیں بنا سکتے۔ خدا نے اپنے قائم کئے ہوئے نظام میں اگر یہ اصول مقرر کیا ہو کہ جو لوگ بھول کے مالک بننا چاہتے ہیں وہ کانٹوں سے اپنا دامن بچا کر بھول کو حاصل کرنے کی کوشش کریں تو آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ ایک ایک کانٹے سے ابھیں اور اس کے باوجود تازہ بھول آپ کے حصہ میں آجائے۔

زندگی کی سب سے زیادہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی بنائی ہوئی دنیا میں نہیں ہیں بلکہ خدا کی بنائی ہوئی دنیا میں ہیں۔ ہم دنیا میں قائم کئے ہوئے خدائی نظام سے موافقت کر کے تو سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں مگر اس کے مقررہ نظام سے ہٹ کر کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ اس لئے یہاں ہر انسان کو آزادی حاصل ہے۔ مگر یہ آزادی صرف عمل کی آزادی ہے نہ کہ نتیجہ برپا کرنے کی۔ ہم بلاشبہ آزاد ہیں کہ جو چاہیں کریں مگر ہم کو یہ قدرت نہیں دی گئی ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق جو نتیجہ چاہیں ظاہر کر دیں۔ ہم آزاد ہیں کہ دریا میں چھلانگ لگائیں یا نہ لگائیں۔ لیکن اگر ہم کو تیرنا نہیں آتا اور ہم گہرے دریا میں چھلانگ لگا دیتے ہیں تو ہم کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ اپنے کو ڈوبنے سے بچالیں۔ یاد رکھئے یہ دنیا کسی عذر کو قبول کرنے کے لئے سب سے زیادہ بے رحم واقع ہوتی ہے، خواہ ہم نے اپنے عذر کو کتنے ہی شاندار الفاظ میں مرتب کر رکھا ہو۔

بے برداشت نہ ہو

قرآن کی سورہ نمبر ۳ کی آخری آیت میں ارشاد ہوا ہے پس تم صبر کرو، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور تم کو بے برداشت نہ کر دیں وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے (فاصلہ بران وعد اللہ حق دلائل مستحفظت الذین لا یوقنون، روم)

زمین سے ایک پھل دار درخت کا پودا اگتا ہے۔ قانون قدرت کے مطابق اس میں دسویں سال پھل لگنے والا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ جلد بازی کریں اور پودا کٹنے کے چند ماہ بعد ہی اس کا پھل لینا چاہیں تو وہ اپنی جلد باز کارروائیوں سے درخت کو برباد کر دیں گے اور اس کا قدرتی امکان برروسے کار آنے سے رہ جائے گا۔ ایسا ہی کچھ معاملہ سماجی زندگی میں ظاہر ہونے والے واقعات کا بھی ہے۔ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اہل حق کو عزت اور غلبہ دے گا۔ مگر درخت کی طرح اس غلبہ کے ظہور کا بھی ایک قانون ہے۔ اگر اس قانون کی رعایت نہ کی جائے اور وقت سے پہلے اس کو پانے کی خواہش کی جائے تو یہ ایسی نادانی ہوگی جس سے غلبہ تو نہیں ملے گا البتہ اس کے امکانات برباد ہو کر رہ جائیں گے۔

خدا کی طرف سے جو غلبہ کا وعدہ ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ اہل حق اپنے حصہ کا کام کریں —
 وہ اپنے آپ کو خدا کے دین پر قائم کریں، وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں۔ وہ ممکن دائروں میں اپنے آپ کو مستحکم بنائیں۔ اسی کے ساتھ وہ فریق ثانی کو حق کی دعوت دیں۔ وہ دعوت کے تمام حکیمانہ تقاضوں کا اہتمام کرتے ہوئے اس کو اتمام حجت کے مرحلہ تک پہنچائیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو خدا کے یہاں کسی گروہ کا یہ استحقاق ثابت کرتی ہیں کہ وہ ان کو غالب کرے اور ان کے مقابلہ میں ان کے تحریف کو مغلوب کر دے۔

جب اہل حق کے درمیان یہ تمام کام جاری ہوتے ہیں تو فریق ثانی کی طرف سے بار بار اشتعال انگیزی کی جاتی ہیں۔ ذہنی اور عملی پہلوؤں سے ایسی باتیں پیش آتی ہیں جو اہل حق کو بھڑکا دینے والی ہوں۔ یہ ٹرائل انک وقت ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اگر اہل حق کی شناختی بھنگ ہو جائے اور وہ فریق ثانی کے چھیڑے ہوئے فتون میں اپنے آپ کو الجھا دیں تو اصل کام رک جاتا ہے اور دونوں فریقوں کے درمیان دوسرے غیر متعلق امور پر لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی لڑائی کا آخری فیصلہ ہمیشہ اہل حق کے خلاف ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا غلبہ خدا کی مدد سے ہوتا اور انھوں نے اصل کام کو نامکمل حالت میں چھوڑ کر غلبہ کا استحقاق کھو دیا۔ انھوں نے "بے برداشت" ہو کر خدا کی نافرمانی کی اور خدا کی نافرمانی کرنے والوں کو بھی خدا کی نصرت نہیں پہنچتی۔

بے برداشت ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً اعلیٰ مقصد کی خاطر چھوٹے نقصانات کو برداشت

نہ کرنا اور ان کے لئے لڑ جانا۔ جذباتی ٹھیس سپینچے والے معاملات کو نظر انداز نہ کرنا اور اپنے کو ان میں الجھا لینا۔ سماجی اور معاشی مسائل میں خود تعمیری کے اصول پر عمل نہ کرنا اور مطالبہ اور احتجاج کی سیاست میں اپنے کو مشغول کر لینا۔ اپنے افراد میں کردار کی طاقت پیدا کرنے سے پہلے بڑے بڑے اقدامات کرنے لگنا۔ اجتماعی زندگی میں پیش آنے والی فطری زیادتیوں کو غیر ضروری اہمیت دینا اور ان کی خاطر تصادم چھیڑ دینا۔ دوسروں سے غیر حقیقی توقعات قائم کرنا اور جب وہ توقعات پوری نہ ہوں تو جھنجھلا کر ان سے ٹھہڑ شروع کر دینا۔ انسانی کم زوریوں کی رعایت نہ کرنا اور کسی کے اندر ایک بشری کمزوری پا کر اس کو اچھالنا اور اس کی بنیاد پر ہر نگاہ مآرائی کرنا۔ سیاسی حکمرانوں سے مفاہمت نہ کرنا اور قبل از وقت ان سے ٹکرا جانا۔ وغیرہ ”بے برداشت نہ ہو جاؤ“ کا اصول حد درجہ حکمت پر مبنی ہے۔ اس کی خلاف ورزی کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ نہ ملے ہوئے مواقع کی حرص میں ملے ہوئے مواقع بھی برباد ہو جاتے ہیں۔ ایک حکمران جو غیر سیاسی دائرہ میں کام کرنے کا موقع دے رہا ہے، اس کو سیاسی اقتدار سے بے دخل کرنے کی مہم چلائی جانے لگے تو وہ غیر ضروری طور پر اہل حق کو اپنا حریف سمجھ لیتا ہے اور حکومتی قوت سے کام لے کر انہیں کچل ڈالتا ہے۔ فرقہ ثانی اگر زور آور حیثیت رکھتا ہے اور اس کے افراد سے بعض زیادتیاں سرزد ہوتی ہیں اور ان کو برداشت نہیں کیا جاتا تو اس کے بعد عمومی سطح پر ایسے فسادات برپا ہوتے ہیں کہ پوری زندگی تہس نہس ہو جاتی ہے اور کسی بھی قسم کا کوئی تعمیری کام کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ جب بھی آدمی کوئی کام شروع کرتا ہے تو فطری طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں مختلف لوگوں کی طرف سے شکایت اور نقصانات سامنے آتے ہیں۔ آدمی اگر ہر شکایت اور ہر نقصان کو اہمیت دے اور اس کی بنیاد پر لوگوں سے لڑنا شروع کر دے تو اصل کام رک جائے گا اور بس لڑائی جھگڑے باقی رہیں گے۔

دوسرے یہ کہ بالفرض ان تمام نادانیوں کے باوجود اہل حق کو غلبہ دے دیا جائے تو عدم تیاری کی بنا پر وہ اس کو سنبھال نہ سکیں گے۔ اگر کسی گروہ میں اتحاد نہ ہو تو غلبہ پانے کے بعد وہ آپس میں لڑنا شروع کر دیں گے، جھگڑا و پہلے ہی پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان جاری تھا وہ خود ہی پرستوں کے اپنے درمیان ہونے لگے گا۔ اگر ان کے افراد میں کردار پیدا نہ ہوا ہو اور انہیں اقتدار پر قبضہ مل جائے تو وہ اصلاح کے بجائے صرف فساد کا سبب بنیں گے اور نتیجہً حق کے بارے میں ایسی بدگمانیاں پیدا ہوں گی کہ لوگ اس کو ایک قابل نفرت چیز سمجھنے لگیں۔ اگر انہوں نے اپنے اندر یہ مزاج پختہ نہیں کیا ہے کہ ان کے نزدیک ساری اہمیت حق کی ہے باقی تمام چیزیں تالوی حیثیت رکھتی ہیں تو وہ غلبہ پا کر غیر ضروری سرگرمیوں میں مشغول ہو جائیں گے اور سماج کو نئے نئے مسائل میں الجھا کر رکھ دیں گے۔ اگر انہوں نے اپنے آپ کو انتقام

کی نفسیات سے بلند نہیں کیا ہے تو اقتدار پانے کے بعد وہ اپنے سابق دشمنوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیں گے حتیٰ کہ فوج اور انتظامیہ کے اعلیٰ تربیت یافتہ افراد کو ختم کر کے ملک کو اتنا کمزور کر دیں گے کہ ملک کو سنبھالنا ہی ناممکن ہو جائے۔ اگر انھوں نے اپنے اندر برداشت کی قوت پیدا نہیں کی ہے تو وہ ہر اس شخص یا گروہ سے لڑائی پھیر دیں گے جس سے ان کے نفس کو چوٹ لگے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کے غلبہ کے باوجود اسلام کا اصل کام (بندگان خدا کو خدا سے جوڑنا) بدستور اُن ہوا پڑا رہ جائے گا۔ جو شخص جذبات سے بے قابو ہو جائے وہ ایک خرابی کو مٹانے کے نام پر ایسا اقدام کرے گا جس سے کئی شدید تر خرابیاں پیدا ہو جائیں۔

جب بھی کسی کی طرف سے ناپسندیدہ بات سامنے آتی ہے تو آدمی صرف ایک بات سوچتا ہے: یہ مخالفت ہے، اس کو کچل ڈالو۔ مگر یہ انسان کا بہت ناقص اندازہ ہے۔ خدا نے انسانی نفسیات میں بے حد لچک رکھی ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انسان ایک حالت پر قائم نہیں رہتا بلکہ بدلتا رہتا ہے۔ اور برداشت کا مطلب اسی انسانی امکان کا انتظار کرنا ہے۔ شریعت میں صابرانہ طریق کار کی تلقین اسی لئے کی گئی ہے کہ اس آنے والے وقت کو آنے کا موقع دیا جائے جب کہ ”آج“ کے انسان کے اندر چھپا ہوا ”کل“ کا انسان برآمد ہو جائے۔

بہت تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو فی الواقع سوچ سمجھ کر کسی چیز کے مخالف بنتے ہیں۔ بیشتر لوگوں کی مخالفت محض اضافی اسباب کی بنا پر ہوتی ہے۔ کبھی ایک آدمی محض غلط فہمی کی بنا پر کسی چیز کا مخالف بن جاتا ہے۔ کبھی وقتی تقاضے کسی شخص کو آپ کے بالمقابل محاذ میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ کبھی حیثیت اور منصب کے مصنوعی مسائل آدمی پر اتنا غالب آتے ہیں کہ وہ کسی بات کے اعتراف سے رک جاتا ہے۔ کبھی کسی کے اختلاف کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ معاملہ کو ایک رخ سے دیکھ رہا ہے اور آپ اس کو دوسرے رخ سے دیکھ رہے ہیں۔ اس قسم کے اختلافات حقیقی اختلافات نہیں ہوتے۔ وہ محض حالات کے تابع ہوتے ہیں اور حالات کے بدلنے کے ساتھ ہمیشہ بدل جاتے ہیں۔

تاہم کچھ مخالفین ایسے ہوتے ہیں جو اپنی مخالفت میں جارحیت کی حد تک جاتے ہیں۔ وہ سازش کرتے ہیں، وہ تحریب کی کارروائیاں کرتے ہیں۔ اور امتحان کی اس دنیا میں بہر حال ان کو بھی اسی طرح عمل کی آزادی حاصل ہے جس طرح کسی دوسرے کو حاصل ہے۔ ایسے لوگوں سے مقابلہ کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ جھنجھلاہٹ کے بجائے صبر اور حکمت کے ساتھ اپنا راستہ نکالا جائے۔ کسی گروہ کی بے صبری اور غیر دانش مندی اس کے دشمن کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ سب سے زیادہ نادان وہ ہے جو خود اپنی طرف سے دشمن کو یہ ہتھیار فراہم کر دے۔

چھوٹے شرک و نظر انداز کرو

حضرت عمیر بن حبیب بن حمانہ جھولنے اپنی بلوغت کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا تھا، اپنے لڑکے کو وصیت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اے میرے بیٹے، نادانوں کی صحبت سے بچو کیونکہ ان کی صحبت میں بیٹھنا بیماری ہے اس کو خوشی ملی جس نے نادان آدمی سے درگزر کیا۔ اور وہ شخص بچھتا یا جس نے اس سے دوستی کی۔ اور جو شخص نادان کے چھوٹے شر پر راضی نہ ہو، اس کو نادان کے بڑے شر پر راضی ہونا پڑے گا اور جہنم میں سے کوئی شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنا چاہے تو اپنے آپ کو تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار کرے اور اللہ سے ثواب ملنے پر بھروسہ کرے کیونکہ جو شخص اللہ سے ثواب ملنے پر بھروسہ کرے گا اس کو تکلیف کا پہنچنا نقصان نہ دے گا۔

اغریح الطبرانی فی الاوسط عن ابی جعفر الخلی ان جده عمیر بن حبیب بن حمانہ و کان قد ادرک ابنی صلی اللہ علیہ وسلم عند اختلافہ اوصی ولدہ فقال : یا بنی ایاک و مجالسۃ السفہاء فان مجالستہم داء و من یحلم عن السفیہ یسر و من یحبہ یندم و من لا یرضی بالقتلیل مما یاتی بہ السفیہ یرضی بالکثیر۔ و اذا اناذ احدکم ان یامر بالمعروف او ینہی عن المنکر فلیوطن نفسه علی الصبر علی الاذی و یشق بالثواب من اللہ تعالیٰ فانہ من وثق بالثواب من اللہ عن وجہ لم ینصہر مس الاذی

ایک نادان شخص اگر کسی کی طرف نکل کر پیچھے تو اس کا فوری تاثر یہ ہوتا ہے کہ اس کا بھروسہ جواب دیا جائے۔ حالانکہ نادان کی نکل کر کا زیادہ بہتر جواب اس کو برداشت کر لینا ہے۔ ”کنکر“ کو برداشت کر کے آپ معاملہ کو ”پتھر“ تک پہنچنے سے روک دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی نادان کے شر کو برداشت نہ کرنا ہمیشہ اس قیمت پر ہوتا ہے کہ بالآخر اس سے زیادہ بڑے شر کو برداشت کرنے پر اپنے کو راضی کیا جائے۔

ایک فرقہ کا پہلوان دوسرے فرقہ کے زیر انتظام اکھاڑے میں اس فرقہ کے پہلوان سے کشتی لڑتا ہے۔ کشتی کے خاتمہ پر پہلے فرقہ کے پہلوان کو شکایت ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ دھاندلی کی گئی ہے۔ ایسی حالت میں زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ اس دھاندلی کو برداشت کرے اور اگلے سال اتنی زیادہ تیاری کے ساتھ مقابلہ کے میدان میں اترے کہ وہ دھاندلی کی حد کو پار کر چکا ہو۔ اس کے برعکس اگر اس نے دھاندلی کو برداشت نہ کیا اور دھاندلی کا بدلہ لینے کے لئے دوسرے فرقہ کے پہلوان کو قتل کرنے کی کوشش کی تو اس کے نتیجے میں ایسا فساد رونما ہوگا جو اس فرقہ کی پوری ہستی کو ویران کر دے گا۔ اکھاڑے کی دھاندلی نہ برداشت کرنے کی

قیمت معاشی برآمدی، سماجی ذلت اور جانوں کی ہلاکت کی صورت میں دینی پڑے گی۔ اسی طرح مثلاً ایک فرقہ کے لوگ اپنی عبادت گاہ میں سالانہ عبادت ادا کر رہے ہیں۔ اس موقع پر دوسرے فرقہ کا گندما جانور چھوٹ کر عبادت گزاروں کی صف میں داخل ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک تکلیف دہ بات ہے۔ لیکن اگر اس تکلیف کو برداشت کر لیا جائے تو صرف ایک وقتی اور معمولی واقعہ پر اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اگر اس کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش کی جائے تو اس کے بعد ایسا فساد برپا ہو گا جو کتنی ہی بستیوں کو خاکستر بنا دے گا اور اتنے زیادہ نقصانات سامنے آئیں گے جن کی تلافی برسہا برس تک بھی نہ ہو سکے۔ ایک عبادت گاہ ہے۔ اس کے پاس سے دوسرے فرقہ کے لوگ باجا جاتے ہوئے گزرے اور اس سے عبادت کرنے والوں کو تکلیف پہنچی، اگر اس کو برداشت کر لیا جائے تو وقتی تکلیف کے بعد صورت حال معمول پر آجائے گی۔ لیکن اگر عبادت کرنے والے اس پر برکڑ جائیں اور جلوس پر پابندی لگانے کی کوشش کریں تو اس کے جواب میں ضد اور عناد ابھرے گا جو بالآخر خرابی اور فساد کی صورت اختیار کرے گا۔ جن لوگوں نے چند منٹ کے باجے کا سننا برداشت نہیں کیا تھا انہیں آگ اور خون کا منظر دیکھنے کو برداشت کرنا پڑے گا۔

آدمی بہت جلد اس کے لئے تیار ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو بھلائی کا حکم دے اور اس کو برائی سے روکے۔ کیوں کہ دوسروں کے ساتھ ایسا کرنے میں اس کی انا کے لئے تسکین ہے۔ اس سے نفس کو یہ لذت ملتی ہے کہ میں حق پر ہوں اور دوسرا میرے مقابلہ میں ناحق پر ہے۔ مگر بھلائی کا دغظ کہنا اور برائی سے روکنا صرف اس شخص کے لئے جائز ہے جو اس کے تقاضے کو اپنانے کے لئے تیار ہو۔ اور اس کا تقاضا تکلیفوں پر صبر کرنا ہے۔ جب بھی ایک آدمی دوسرے کو ٹوٹے گا اور اس کے اوپر تنقید کرے گا تو لازماً ایسا ہو گا کہ وہ شخص برہم ہو گا۔ ایسے موقع پر ٹوٹنے والے کو برت کی طرح نرم ہو جانا چاہئے۔ اگر وہ خود بھی اس کے جواب میں برہم ہو جائے تو وہ برائی سے ٹوٹنے والا نہیں ہے بلکہ وہ ایک برائی کو دہرائی کرنے کا مجرم ہے جو خدا کے یہاں کسی حال میں قابل معافی نہیں۔

دغظ و نصیحت کے جواب میں بیش آنے والی تکلیفوں پر برہم ہونے سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس نے دغظ و نصیحت کا کام تمام تر اللہ کی خاطر شروع کیا ہو۔ جس اللہ سے وہ دوسرے کو ڈرا رہا ہے جب وہ خود اس سے ڈرنے والا بن چکا ہے تو وہ ایسا کام کیوں کر کر سکتا ہے جو صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ سے بے خوف ہو چکے ہوں۔ جو شخص انسانوں کی طرف سے آنے والی تکلیفوں پر برکڑتا ہے وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ اپنے عمل کا بدلہ انسانوں سے چاہتا تھا اور جب انسانوں کی طرف سے بدلہ نہیں ملا تو وہ بگڑ گیا۔ مگر جو آدمی اپنے عمل کا بدلہ اللہ سے لینے کا امیدوار ہو وہ اس کی بائیں پر وائیں کر سکتا کہ لوگ اس کے کام کی تعریف کر رہے ہیں یا تنقید۔

آپ مشتعل نہیں ہوئے

سید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ غزوہ کر رہے ہیں۔ صحابہ کو آپ نے یہ خواب بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے کہ پچھ سال کے بداب مکہ جانے اور حرم کی زیارت کرنے کا موقع ملے گا۔ اس خواب کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ چودہ سو اصحاب بھی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ غدیر اشطاط کے مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش آپ کے سفر کی خبر یا کہ سرگرم ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ایک لشکر جمع کیا ہے اور عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔

کعبہ کی زیارت کسی کو روکنا عرب روایات کے بالکل خلاف تھا۔ مزید یہ کہ آپ اشارہ خداوندی کے تحت یہ سفر کر رہے تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ اس خبر کو سن کر مشتعل نہیں ہوئے۔ آپ کے جاسوس نے بتایا کہ خالد بن ولید دو سو سواروں کو لے کر مقام غم تک پہنچ گئے ہیں تاکہ آپ کا راستہ روکیں۔ یہ خبر سن کر آپ نے یہ کیا کہ معروف راستہ کو چھوڑ دیا اور ایک غیر معروف اور دشوار گزار راستہ سے چل کر حدیبیہ تک پہنچ گئے تاکہ خالد سے ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے۔ اس واقعہ کو ابن ہشام نے جن الفاظ میں نقل کیا ہے وہ یہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کون شخص ہے جو ہم کو ایسے راستے سے لے جائے جو ان کے راستے سے مختلف ہو۔ ایک شخص نے کہا کہ میں اسے اللہ کے رسول۔ چنانچہ وہ لوگوں کو لے کر ایسے راستے پر چلا جو سخت دشوار اور پتھر ملا تھا اور پہاڑی راستوں سے گزرتا تھا۔ جب لوگ اس راستہ کو طے کر چکے اور مسلمانوں کو اس پر چلنا بہت شاق گزرتا تھا اور وہ وادی کے ختم پر ایک ہوار زمین میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ کہو ہم اللہ سے مغفرت مانگتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لوگوں نے اسی طرح کہا آپ نے فرمایا: خدا کی قسم یہی جطر ہے جو بنی اسرائیل کو پیش کیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے نہیں کہا۔

قال من رجل یخرج بنا علی طریق غیر طریقہم
القی ہم بہا۔ قال رجل انابا رسول اللہ۔ قال
فسلک بہم طریقا عدواً اجدرل بین شعاب
فلما اخرجوا منه وقد شق ذلك علی المسلمین
وافضوا الی ارض سهلة عند منقطع الوادی قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنا من قولوا نستغفر
اللہ ونتوب الیہ فقالوا ذلك۔ فقال واللہ انہا
للحطة التي عمر ضمت علی بنی اسرائیل حنم
یقولہا (جزء ۳ صفحہ ۳۵۷)

حط کا مطلب توبہ اور بخشش ہے۔ اس صبر آزما موقع پر توبہ و استغفار کرنا ظاہر کرتا ہے کہ خدا کے بتائے ہوئے صبرانہ طریق کار کا آدمی کو اس قدر زیادہ پابند ہونا چاہئے کہ اس راہ پر چلتے ہوئے جو کمزوری یا جھنجھلاہٹ پیدا ہو اس کو بھی آدمی گناہ سمجھے اور اس کے لئے خدا سے معافی مانگے۔ اس کو خدا کے طریقہ پر راضی رہنا چاہئے نہ کہ وہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر خود ساختہ طریقے نکالنے لگے۔

حدیبیہ کا مقام مکہ سے ۹ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں آپ ٹھہر گئے تاکہ حالات کا جائزہ لے سکیں۔ حدیبیہ سے آپ نے خراش بن امیہ خزاعی کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اہل مکہ کے پاس بھیجا کہ ان کو خبر کر دیں کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں، جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں۔ جب وہ مکہ پہنچے تو اہل مکہ نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور خود حضرت خراش کو بھی قتل کرنے کے لئے دوڑے۔ مگر وہ کسی طرح بچ کر واپس آ گئے۔ پھر آپ نے حضرت عثمان کو یہ پیغام لے کر مکہ بھیجا کہ تم لوگ مزاحمت نہ کرو، ہم عمرہ کے مراسم ادا کر کے خالوشی سے واپس چلے جائیں گے۔ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو بھی روک لیا۔ پھر مکہ زین حفص پچاس آدمیوں کو لے کر رات کے وقت حدیبیہ پہنچا اور مسلمانوں کے پڑاؤ پر تیر اور پتھر برسائے لگا۔ مکہ ز کو گرفتار کر لیا گیا۔ مگر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اس کو بلا شرط چھوڑ دیا گیا۔ اسی طرح مقام تبیم کی طرف سے ۸۰ آدمی صحیح سویرے آئے اور عین نماز کے وقت مسلمانوں پر چھاپہ مارا۔ یہ لوگ بھی پکڑ لئے گئے۔ مگر آپ نے ان کو بھی غیر مشروط طور پر رہا کر دیا۔

اس کے بعد قریش سے طویل مذاکرات کے بعد دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہوئی۔ مگر یہ صلح ظاہر بیٹوں کے لئے مہر قریش کی فتح اور مسلمانوں کی شکست کے ہم معنی تھی۔ مسلمان یہ سمجھے ہوئے تھے کہ وہ بشارت الہی کے تحت عمرہ کرنے کے لئے مکہ جا رہے ہیں مگر جو صلح ہوئی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط پر راضی ہو گئے کہ وہ عمرہ کے بغیر حدیبیہ سے واپس چلے جائیں۔ اگلے سال وہ عمرہ کے لئے آئیں مگر صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں اور اس کے بعد خالوشی سے واپس چلے جائیں۔ اس طرح کی ذلت آمیز دفعات مسلمانوں کو مستعمل کرنے کے لئے بالکل کافی تھیں۔ مگر آپ نے بظاہر شکست کے باوجود تمام دفعات کو منظور کر لیا۔

قریش نے اس موقع پر آپ کے ساتھ جو کچھ کیا آپ کو اشتعال دلانے کے لئے کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح آپ کو مستعمل کر کے آپ کی طرف سے کوئی جارحانہ اقدام کرادیں تاکہ قریش کے لئے آپ سے لڑنے کا حواز نکل آئے۔ حرم کی زیارت سے روکنیوں بھی عرب روایات کے خلاف تھا۔ مزید یہ کہ یہ ذوقہ کا ہینہ تھا جو عربوں میں حرام ہینہ شمار ہوتا تھا۔ اس میں جنگ ناجائز بھی جاتی تھی۔ اس لئے اہل مکہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے اوپر جارحیت کی ذمہ داری ڈال کر ان سے جنگ کی جائے۔ مسلمان اس وقت کم تعداد میں تھے۔ ان کے پاس سامان جنگ نہیں تھا۔ وہ مرکز مدینہ سے ڈھائی سو میل دور اور دشمن کے مرکز (مکہ) کی عین سرحد پر تھے۔ قریش کے لئے بہترین موقع تھا کہ آپ کے اوپر پھر یوں وار کر کے آپ کے خلاف اپنے دشمنانہ حوصلوں کو پورا کر سکیں۔ اسی لئے انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح آپ کو مستعمل ہو کر لڑیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شرارت کو نظر انداز کرتے رہے اور کسی طرح اشتعال کی نوبت نہ آنے دی۔

یہ معاملہ اتنا سنگین تھا کہ حضرت ابوبکر کے سوا صحابہ کرام میں سے کوئی شخص نہ تھا جو یہ محسوس نہ کر رہا ہو کہ ہم ظالم کے آگے جھک گئے ہیں اور اپنے کوتاہیوں آمیز شرائط پر راضی کر لیا ہے۔ قرآن میں جب اس معاہدہ کے

بارے میں آیت اتری کہ یہ فتح میں ہے تو صحابہ نے کہا: کیا یہ فتح ہے۔ ایک مسلمان نے کہا: یہ کسی فتح ہے کہ ہم بیت اللہ جانے سے روک دئے گئے۔ ہماری قربانی کے اونٹ آگے نہ جاسکے۔ خدا کے رسول کو حدیبیہ سے واپس آنا پڑا۔ ہمارے مظلوم بھائی (ابوجندل اور ابوبصیر) کو اس صلح کے تحت ظالموں کے حوالے کر دیا گیا۔ وغیرہ۔ مگر اسی ذلت آمیز صلح کے ذریعہ خدا نے فتح عظیم کا دروازہ کھول دیا۔

یہ معاہدہ بظاہر دشمن کے آگے جھک جانا تھا۔ مگر حقیقتاً وہ اپنے کو مضبوط اور مستحکم بنانے کا دفعہ حاصل کرنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے تمام مطالبات منظور کر کے ان سے صرف ایک یقین دہانی لے لی۔ یہ کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ اب تک یہ تھا کہ مسلسل حالت جنگ کی وجہ سے تبلیغ و تعمیر کا کام رکا ہوا تھا۔ آپ نے حدیبیہ سے لوٹ کر فوراً دعوت و تبلیغ کا کام عرب اور اطراف عرب میں تیزی سے شروع کر دیا۔ ابتدائی زمین پہلے تیار ہو چکی تھی۔ پر امن حالات نے جو موقع دیا اس میں دعوت کا کام تیزی سے پھیلنے لگا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔ عرب قبائل ایک کے بعد ایک اسلام میں داخل ہونے لگے۔ عرب کے باہر ملکوں میں اسلام کی دعوت پھیلائی جانے لگی۔ مشرکین مکہ کی طرف سے مامون ہو کر آپ نے خیبر کے یہودیوں کے خلاف کارروائی کی اور ان کا خاتمہ کر دیا۔ دعوتی سرگرمیوں کے ساتھ داخلی استحکام اور تیاری کا کام بہت بڑے پیمانہ پر ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح کے صرف دو سال بعد اسلام اتنا طاقت ور ہو گیا کہ قریش نے لڑے بھڑے بغیر ہتھیار ڈال دئے۔ جس مکہ سے توہین آمیز داپھی برائے کو راضی کر لیا گیا تھا اسی مکہ میں اس داپھی سے فاتحانہ داخلہ کا لاستہ نکل آیا۔

آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ حدیبیہ کی طرف سے کوئی خاموشی گوارا بات پیش آئے تو فوراً پھراٹھتے ہیں اور اس سے لڑھکتے ہیں۔ اور جب بے فائدہ لڑائی کے نقصانات بتائے جائیں تو کہتے ہیں کہ ہم خود سے نہیں لڑے۔ ہمارے خلاف سازش کر کے ہم کو جنگ میں ابھرایا گیا۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ نہ لڑنا حقیقتاً اسی کا نام ہے کہ کوئی لڑنے نہ آئے تو آپ نہ لڑیں۔ نہ لڑنا یہ ہے کہ لوگ لڑنے نہیں پھر بھی آپ ان سے نہ لڑیں۔ لوگ آپ کو اشتعال دلائیں مگر آپ مشتعل نہ ہوں۔ لوگ آپ کے خلاف سازشیں کریں مگر اپنی خاموشی تدریجاً سے آپ ان کی سازش کو ناکام بنا دیں۔ لوگ آپ کے خلاف اپنے دلوں میں دشمنی لے ہوئے ہوں تب بھی آپ ان کی دشمنی کو عمل میں آنے نہ دیں۔

زندگی کا اصل راز حریف سے لڑنا نہیں ہے۔ زندگی کا راز یہ ہے کہ لڑائی سے بچ کر اپنے آپ کو اتنا طاقت ور بنایا جائے کہ لڑائی کے بغیر محض دیدہ سے حریف ہتھیار ڈال دے۔ جو لوگ مشتعل ہو کر لڑنا جانتیں اور خاموش ہو کر تیاری کرنا نہ جانتیں ان کے لئے یہاں صرف بربادی کا انجام ہے۔ ناممکن ہے کہ خدا کی دنیا میں وہ کامیاب ہو سکیں۔ کیسی عجیب بات ہے، جو کامیابی بغیر صبر نہ ٹکرانے کی پالیسی اختیار کر کے حاصل کی اس کو ہم ٹکرانے کا طریقہ اختیار کر کے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پھر بھی ہمارا یقین ہے کہ ہم رسول خدا کے امتی ہیں اور آپ ضرور خدا کے یہاں ہماری شفاعت فرمائیں گے۔

حلف الفضول

زمانہ جاہلیت میں عرب کے کچھ لوگوں نے ایک باہمی معاہدہ کیا تھا جس کو حلف الفضول کہا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کا مقصد لوٹ کھسوٹ اور ظلم کو روکنا تھا۔ اس معاہدہ میں شریک ہونے والوں کے نام تھے فضل بن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضیل بن حارث۔ چنانچہ انھیں کے نام پر اس معاہدہ کا نام حلف الفضول (فضل والوں کا معاہدہ) پڑ گیا۔ یہ معاہدہ ابتدائی بانوں تک زندہ رہا۔ ان کے مرنے کے بعد صرف ان کا نام رہ گیا۔ زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے بعض اشعار میں اس معاہدہ کا ذکر اس طرح کیا ہے (روض الانع از سبیلی)

إِنَّ الْفُضُولَ تَحَاكَمُوا وَتَعَاثَرُوا
أَمْرٌ عَلَيْنَا تَعَاهَدُوا وَتَوَاتَعُوا
ان لَلْيَقِيمِ بَيْتِي مَكَّةَ ظَالِمٌ
فَالجَارِ وَالْمَعَاثِرِ فِيهِمْ سَالِمٌ

فضل نامی افراد نے باہم معاہدہ کیا اور عہد باندھا کہ مکہ میں کوئی ظالم نہ رہنے پائے گا

انھوں نے اس بات پر باہم عہد باندھا اور اقرار کیا۔ میں مکہ میں بڑوسی اور ضرورت سے آنے والا سب محفوظ ہیں واقعہ فیل کے بعد عرب میں ایک باہمی جنگ ہوئی جس کو حرب الفجار (حرام مہینوں میں کی جانے والی جنگ) کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کے بعد دوبارہ عرب میں بد امنی بڑھ گئی۔ اسی زمانہ میں یہ واقعہ ہوا کہ بنی کے قبیلہ زبید کا ایک شخص کچھ تجارتی سامان لے کر مکہ آیا۔ قریش کے ایک سردار عاص بن وائل بھی نے اس کا سامان خریدنا اگر اس کی مطلوبہ قیمت نہیں ادا کی۔ مذکورہ یعنی تاجر نے مکہ والوں سے فریاد کی۔ اس نے کچھ اشعار کہے اور ان کے ذریعہ عام لوگوں تک اپنی شکایت پہنچائی۔ اس واقعہ نے مکہ کے کچھ درد مند لوگوں کو چونک کر دیا۔ زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنو ہاشم اور بنو تمیم کے لوگ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے تاکہ صورت حال کے بارے میں مشورہ کریں۔ انھوں نے حلف الفضول کی از سر نو تجدید کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے باہمی عہد کے ذریعہ اپنے کو پابند کیا کہ وہ مظلوم کا ساتھ دیں گے اور ظالم سے اس کا حق دلا کر رہیں گے (تعاقدوا باللہ لیکون مع المظلوم حتی یؤدی الیہ حقہ) اس عہد کے بعد وہ لوگ عاص بن وائل کے پاس گئے۔ اس سے مذکورہ شخص کا سامان چھینا اور اس کو اس کے مالک کے حوالے کیا۔

یہ معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی عمر میں ہوا تھا۔ وہ اگرچہ عربوں کا ایک معاہدہ تھا مگر آپ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اس کی بابت آپ کے یہ الفاظ سیرت کی کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں:

لقد شهدت فی دار عبد اللہ بن جدعان حلفاً
لودعیت بہ فی الاسلام لاجبت تحالفوا ان یردوا
الفضول علی اهلہا وان لا یعن ظالم مظلوما
(سیرت ابن کثیر)

کہ کوئی ظالم کسی مظلوم پر غالب نہ آسکے گا۔

ابن ہشام نے اس میں بعض واقعات نقل کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلف الفضول کا ذمہ انہی بعد کے عربوں میں بھی باقی تھا۔ ولید بن عقبہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے بھتیجے تھے۔ حضرت معاویہ نے ان کو مدینہ کا امیر بنایا تھا۔ اسی زمانہ میں ولید بن عقبہ اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک جائداد کا جھگڑا ہوا جو کہ ذوالرودہ نامی گاؤں میں تھی۔ ولید نے طاقت کے زور پر اس پر قبضہ کرنا چاہا حضرت حسین نے فرمایا:

احلف بالله لتنصفنني من حقي اولا اخذت
سيعني شتم لا تؤمنن في مسجد رسول الله صلى
الله عليه وسلم ثم لا دعون بجلعت الفضول
میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم کو میرے حق کے معاملہ
میں انصاف کرنا ہو گا ورنہ میں اپنی تلواروں گا اور
مسجد نبوی میں کھڑا ہوں گا اور حلف الفضول کے
نام پر پکاروں گا۔

عبداللہ بن زبیر جو اس وقت وہاں موجود تھے انھوں نے بھی یہی بات کہی۔ انھوں نے کہا: میں بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر حسین اس کے لئے پکاریں گے تو میں اپنی تلواروں گا اور ان کے ساتھ کھڑا ہوں گا وہاں تک کہ ان کا حق ان کو دیا جائے یا ہم دونوں ایک ساتھ قتل ہو جائیں۔ یہ بات موسیٰ بن خزیمہ زہری کو پہنچی تو انھوں نے بھی اسی طرح کہا۔ اسی طرح یہ بات عبدالرحمن بن عثمان تمیمی کو پہنچی تو انھوں نے بھی ایسا ہی کہا۔ جب ولید بن عقبہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے حضرت حسین کو ان کا حق ادا کر دیا (سیرۃ ابن ہشام، جز اول، ۱۴۶)۔

ادھر کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ بدامنی اور فساد کے مسئلہ کے حل کے لئے اسلام کا مصدقہ طریقہ حلف الفضول کا طریقہ ہے۔ یعنی معاشرہ کے ذمہ دار افراد کا خدا کے سامنے عہد باندھ کر اپنے آپ کو اس کا یا بند کرنا کہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہو گا کہ ایک شخص دوسرے شخص پر ظلم کر رہا ہو تو وہ فوراً دوڑ کر موقع پر پہنچیں گے۔ مظلوم کے مسئلہ کو اپنا مسئلہ بنائیں گے۔ وہ اپنی ساری قوت اور ساری کوشش صرف کر کے ظالم کو مجبور کریں گے کہ وہ اپنے ظلم سے باز آئے اور مظلوم کو اس کا حق ادا کرے۔

آج ہر ہستی میں یہ صورت حال ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ستا رہے۔ کوئی کسی کو ذلیل کرنے پر تلا ہوا ہے، کوئی کسی کے اوپر جھوٹا مقدمہ قائم کئے ہوئے ہے۔ کوئی کسی کا مال ہڑپ کر لینا چاہتا ہے۔ غرض جس کو ذرا بھی کوئی طاقت یا موقع ہاتھ آتا ہے تو وہ اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ کمزور کو دبائے اور ظالمانہ طریقہ پر دوسرے کے حقوق کو غصب کرے۔ اس قسم کے واقعات ہر ہستی میں اور ہر جگہ میں ہو رہے ہیں۔ مگر تمام لوگ بغیر جانب دار بنے رہتے ہیں سچی کہ ذمہ دار افراد بھی ان معاملات میں کوئی دخل نہیں دیتے۔ کسی کو اگر اصلاح امت یا خدمت قوم کا شوق ہوتا ہے تو وہ جلسوں اور تقریروں کا مشغلہ شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ اصل کام مظلوموں کی عملی دادرسی ہے نہ کہ مظلوموں کے نام پر جلسہ کرنا اور اس میں الفاظ کے دریا بہانا۔ مظلوموں کے نام پر جلسے کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص زخمی ہو جائے اور آپ اس کو ہسپتال لے جانے کے بجائے ایک ”شان دار زخمی کا نفرین“ منعقد کرنے کے لئے دوڑ پڑیں۔

جب لوگ پکار پر دوڑ پڑتے تھے

اسلام سے پہلے عرب میں جو شعور پیدا ہوئے ان کو جاہلی شعور کہا جاتا ہے۔ ایک جاہلی شاعر اس زمانہ کے ایک عرب قبیلہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

لایسأون اخاھم حین یندبھم فی النائبات علی ما قال برھانا

یعنی ان کے بھائی پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے اور وہ ان کو مدد کے لئے پکارتا ہے تو وہ اس سے اس کی دلیل نہیں پوچھتے۔ بلکہ فوراً اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے عرب میں اس کو شرافت کی خاص پہچان سمجھا جاتا تھا۔ اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص سے کچھ لوگوں کی دشمنی ہو گئی۔ ایک روز ان لوگوں نے اس شخص کو اکیلے میں پایا۔ وہ لوگ دوڑے کہ اس کو مار ڈالیں۔ وہ آدمی بھاگا۔ بھاگتے ہوئے اس کو ایک بدو کا خیمہ ملا۔ وہ خیمہ میں گھس گیا اور کہا کہ مجھے بچاؤ۔ بدو عرب نے اس کو خیمہ کے اندر بٹھایا اور خود خیمہ کے دروازے پر تلوار لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دشمن جب وہاں پہنچے تو اس نے کہا: میں نے اس آدمی کو پناہ دی ہے، اب اگر تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو تو پہلے تم کو میری تلوار کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ مجھ کو ختم کرنے کے بعد ہی تم اس کو پا سکتے ہو۔

عباسی خلافت کے زمانہ میں ایک شخص نے بغاوت کی۔ اس کا نام بابک خرمی تھا۔ اس نے موصل کے علاقہ میں اپنی بڑی طاقت بنالی۔ خلیفہ معتمد باللہ (۲۲۷-۲۸۰ھ) نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک بڑی فوج بھیجی۔ بابک خرمی جب مسلمانوں کے لشکر کے محاصرہ میں آکر تنگ ہوا تو اس نے یہ تدبیر کی کہ اس نے اس وقت کے رومی بادشاہ نوظل بن میکائیل (قیصر روم) کو ایک خفیہ خط بھیجا جو اپنی سلطنت کا بڑا حصہ کھوکرتی کے علاقہ میں مقیم تھا۔ بابک نے اس کو لکھا کہ معتمد باللہ نے اس وقت اپنی تمام فوجیں میرے مقابلہ پر روانہ کر دی ہیں۔ بغداد اور سامرہ فوجوں سے خالی ہو گئے ہیں۔ تمھارے لئے بہترین موقع ہے کہ تم خلافت بغداد پر حملہ کر کے ان سے اپنی سابق سلطنت چھین لو۔ شاہ روم اپنی ایک لاکھ فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نے زبطہ پر شب خون مارا جو ترکی کی سرحد پر واقع تھا۔ وہاں کے مردوں کو قتل کیا اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔

یہ ۲۹ ربیع الثانی ۲۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ ایک شخص زبطہ کے حادثہ کی خبر لے کر معتمد باللہ کے پاس بغداد پہنچا۔ واقعات بتاتے ہوئے اس نے کہا کہ ایک عرب عورت کو رومیوں نے پکڑا اور اس کو بیخبر کر لے جانے لگے تو اس نے پکارا اور معتمد باللہ (معتمد) معتمد باللہ اس وقت مجلس طرب میں تھا۔ مگر

جیسے ہی اس نے یہ خبر سنی لبیک لبیک کہتا ہوا فوراً وہ اپنے تخت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا کہ میں اس وقت تک آرام نہیں کروں گا جب تک عرب خاتون کی مدد نہ کر لوں۔ وہ اپنے محل پر چڑھا اور اس کے اوپر کھڑا ہو کر پکارا الرحیل الرحیل (کوچ، کوچ) اس کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور کوچ کا نفاذ ہوا۔ بخارا، لشکر اور سرداران لشکر گروہ درگروہ آکر اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ وہ اس معاملہ میں اتنا سنجیدہ تھا کہ قاضی اور گواہ بلا کر اس نے وصیت لکھوائی کہ اگر میں جنگ سے واپس نہ آؤں تو میرا اثاثہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔

معتصم باللہ اپنے لشکر کے ساتھ زبطہ پہنچا تو رومی وہاں سے بھاگ کر اپنے قلعہ بند شہر عموریہ جا چکے تھے۔ معتصم باللہ آگے بڑھا اور اپنی فوجوں کو لے کر رومی علاقہ (ترکی) میں داخل ہو گیا۔ اس نے عموریہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۵۵ روز کے محاصرہ کے بعد رومی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ معتصم باللہ نے عموریہ کی تمام شاہی اور فوجی تعمیرات کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا۔ قیصر روم نوفل نے بھاگ کر قسطنطنیہ میں پناہ لی۔ معتصم باللہ نے عرب خاتون کو رومی قید سے آزاد کرایا اور اس کو اس کے گھر پہنچا دیا۔

کسی معاشرہ میں "فساد" نہ ہونے کی سبب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ اس کے افراد مظلوم کی پکار پر دوڑیں۔ اس کے برعکس جہاں لوگوں کو مظلوم کی پکار سے دلچسپی نہ ہو، وہ صرف اس وقت میان اور تقریر کا کرشمہ دکھانے کے لئے باہر آئیں جب کہ اس کے اندر اخباری اہمیت (نیوز ویلیو) پیدا ہو چکی ہو، ایسے معاشرہ میں ہر وقت فساد کے اسباب پرورش پاتے رہتے ہیں اور موقع پاتے ہی پھوٹ پڑتے ہیں۔ آج لوگوں میں انفرادیت اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ایک شخص خواہ کتنا ہی پکارے، کوئی اس کی مدد کے لئے نہیں دوڑتا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی اس کی مدد کے لئے اپنے اندر کوئی تڑپ نہیں پاتے جو بے انصافی کے خاتمہ کے عنوان پر اپنی تحریکیں چلا رہے ہیں۔ لوگ ظلم اور بے انصافی کے نام پر تقریریں کرتے ہیں۔ مگر جب ایک واقعی مظلوم ان کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ حیرت انگیز طور پر پرتا ہے کہ ان مقرر لیڈروں کو اس کی مدد پر پہنچنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔

موجودہ فرقہ وارانہ فساد کا کم از کم ایک جزئی سبب یہ بھی ہے۔ ایک مقام پر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو ستایا۔ اس نے اپنی قوم کے لیڈروں کو مدد کے لئے پکارا۔ مگر کوئی ایک شخص بھی اس کی مدد پر نہ اٹھا۔ اس واقعہ کا اس پر اس قدر شدید رد عمل ہوا کہ مسلمانوں سے اس کو نفرت ہو گئی۔ اس نے ایک سازش کر کے اپنے مقام پر ایک فرقہ وارانہ فساد کرا دیا۔ اور جب فساد کا ہنگامہ شروع ہوا تو اس کے دوران اس نے ان لوگوں کے گھر جلا ڈائے جن سے اس کو شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ کسی معاشرہ کا سب سے بڑا فساد باہمی بے اعتمادی ہے اور انفرادی ظلم پر نہ دوڑنا معاشرہ کے اندر برائی پیدا کرتا ہے۔

پتھر سے پانی

روس کے کچھ ماہرین نے تجربہ کر کے بتایا ہے کہ پتھر کو نچوڑ کر اس سے پانی نکالا جاسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ زمین کے چند میٹر نیچے سے پتھر کی چٹان کا ایک ٹکڑا کاٹ کر نکالے اور اس کو دھات کے گلاس میں رکھئے پھر اس کے اوپر دس ٹن ٹی مربع سنٹی میٹر کے حساب سے دباؤ ڈالئے۔ اس کے بعد پتھر سے سیال پانی سے قطرے ٹپکنا شروع ہو جائیں گے۔

یہ قدرت کی ایک نشانی ہے جو ہم کو سبق دیتی ہے کہ اس دنیا میں ہمارے لئے کیا کیا امکانات رکھ دئے گئے ہیں۔ پتھر، ایک خشک چیز ہے۔ مگر پتھر جیسی خشک چیز بھی اس وقت پانی ٹپکانے لگتی ہے جب کہ اس کو استعمال کیا جائے اور اس کے ساتھ وہ عمل کیا جائے جو مطلوب ہے۔ ایک مسلمان نے شہر میں اپنا مکان بنایا۔ ان کے قریب ہی ایک اور شخص نے گھر بنایا جو کہ دوسرے فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ ایک ٹھیکہ دار آدمی تھا اور بہت تیز تھا۔ مسلمان کے گھر اور ٹھیکہ دار کے گھر کے درمیان ایک زمین تھی جس کے بارے میں دونوں میں جھگڑا شروع ہو گیا ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ یہ زمین میری ہے۔ ٹھیکہ دار نے دیکھا کہ وہ تنہا اپنا مطالبہ منوانے میں کامیاب نہیں ہو رہا ہے، وہ شہر کے فرقہ پرست عناصر کے پاس گیا اور ان کو خوب درغلا یا۔ یہاں تک کہ ایک روز فرقہ پرستوں کی ایک بھیڑ مسلمان کے مکان کے سامنے جمع ہو گئی اور شرانگیز فرے لگانے لگی۔

مسلمان اپنے گھر سے باہر نکلا تو صورت حال کا اندازہ کرنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ یہ لوگ شہر بندی پر آمادہ ہیں اور اگر ذرا سی بھی کوئی اشتعال انگیز بات ہوئی تو جلانے اور پھونکنے کی سطح پر آتے ہیں گے۔ اس نے کہا، آپ میں نمائندہ کون لوگ ہیں، وہ باہر آجائیں تاکہ ان سے بات کی جاسکے۔ چنانچہ چار پانچ لیڈر قوم کے آدمی سامنے آگئے۔ مسلمان ان کو اپنے دفتر میں لے گیا۔ جب وہ لوگ سکون کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھ گئے تو اس نے کہا کہ بات بہت مختصر سی ہے اور اس کا فیصلہ بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ دیکھیے زمین کاغذ پر ہوتی ہے زمین کا فیصلہ کاغذ کو دیکھ کر کیا جاتا ہے، جو کاغذات میرے پاس ہیں وہ میں آپ کو دے دیتا ہوں۔ اور جو کاغذات ٹھیکہ دار صاحب کے پاس ہیں وہ بھی آپ ان سے لے لیں۔ آپ دونوں کاغذات کو دیکھ لیجئے۔ اس کے بعد آپ جو فیصلہ کریں وہی مجھ کو منظور ہے، یہ سنتے ہی فرقہ پرست لیڈروں کا ذہن بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔ ہر ایک نے کہا کہ ”یہ تو بہت مقبول آدمی ہے۔ یہ سارا فیصلہ خود ہمارے حوالے کر رہے ہیں“ اس کے بعد انہوں نے چند دن کاغذات دیکھنے میں گزارے اور بالآخر خود مسلمان کے حق میں زمین کا فیصلہ کر دیا۔ فرقہ پرست عناصر ابتداً پتھر تھے۔ مگر مسلمان نے جب ان کے اوپر مقبولیت کا دباؤ ڈالا تو پتھر سے پانی ٹپکنا شروع ہو گیا۔

صبر کا طریقہ

فساد کا کوئی سبب پیدا ہو تو اس وقت ایک طریقہ صبر کا ہے اور دوسرا طریقہ اشتعال کا۔ ایسے موقع پر مشتعل ہونا فساد کو بڑھاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ذہن کو قابو میں رکھ کر سوچا جائے اور صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے تو مسئلہ جہاں تھا وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں ہم چند واقعات لکھتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ صبر کا طریقہ اختیار کرنا کس طرح فساد کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

۱۔ غالباً ۱۹۷۳ء کی بات ہے۔ دارالعلوم ندوہ (لکھنؤ) کے قریبی محلہ میں ایک غیر مسلم کی گائے تھی۔ ایک مقامی مسلمان نے کسی وجہ سے گائے کو مارا۔ اتفاق سے چوٹ کسی نازک مقام پر لگ گئی اور گائے مر گئی۔ غیر مسلم حضرات کو جب معلوم ہوا کہ ان کی گائے ایک مسلمان نے مار ڈالی ہے تو پورے علاقہ میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ سیکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم لوگ جمع ہو گئے۔ سب سے قریبی مسلم مرکز ندوہ تھا۔ وہ لوگ ندوہ میں گھس آئے اور اشتعال انگیز نعروں لگانے لگے۔

یہ بڑا نازک وقت تھا۔ اندیشہ تھا کہ وہ لوگ ندوہ کو آگ لگا دیں اور پھر سارے شہر میں فساد برپا ہو جائے۔ ندوہ کے ذمہ داروں نے اس موقع پر مشورہ کیا۔ طے ہوا کہ اس مشتعل مجمع کو ٹھنڈا کرنے کی تدبیر صرف یہ ہے کہ گائے کے قاتل کو مجمع کے حوالے کر دیا جائے۔ اگرچہ یہ ایک خطرناک کام تھا مگر شہر کو آگ اور خون سے بچانے کی کوئی دوسری تدبیر ممکن نہ تھی۔ چنانچہ ذمہ دار حضرات مذکورہ مسلمان کے پاس گئے جو غالباً ندوہ کے ایک کمرہ میں چھپا ہوا تھا۔ اس سے کہا کہ اس وقت ندوہ اور سارا شہر خطرہ میں ہے۔ مگر ان کا سارا غصہ تمھاری وجہ سے ہے۔ اگر وہ تم کو پا جائیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ تمھارے لئے ایک خطرہ کی بات ہے۔ تاہم امید ہے کہ اللہ کی مدد حاصل ہوگی اور تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ آخر کار وہ راضی ہو گیا۔ اور نکل کر مجمع کے سامنے آ گیا۔ اس نے کہا کہ آپ کی گائے میں نے ماری ہے اس لئے آپ میرے ساتھ جو چاہیں کریں۔ البتہ ضرور کہوں گا کہ میں نے مارنے کی نیت سے نہیں مارا تھا بلکہ اس کو بھگانے کے لئے مارا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ وہ مر گئی۔ مجمع نے جب گائے کے قاتل کو دیکھا اور اس کی باتیں سنیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ لوگ جو ندوہ کو بھونکنے اور اور شہر کی مسلم آبادی کو دیران کرنے پر تھے ہوئے تھے وہ صرف اتنی بات مابھی پر راضی ہو گئے کہ گائے کا قاتل گائے کی قیمت ادا کر دے۔ قیمت فوراً ادا کر دی گئی اور مسئلہ اسی وقت ختم ہو گیا۔

۲۔ فیروزپور کا ضلع گوڑ گاؤں رہا یا نہ کا ایک قصبہ ہے۔ قصبہ میں تقریباً تمام دکانیں غیر مسلم حضرات کی ہیں۔ مگر اطراف کے تمام دیہاتوں میں مسلمانوں (میووں) کی اکثریت ہے۔ فیروزپور کے بازار میں زیادہ تر یہی مسلمان خریداری کرتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء کے آغاز میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک غیر مسلم خاندان کی لڑکی گھر سے غائب ہو گئی۔ لوگوں کو شبہ ہوا کہ کچھ مسلم نوجوانوں نے ایسا کیا ہے۔ چنانچہ غیر مسلم حضرات نے کافی شور مچا دیا۔ پولیس میں رپورٹ کر کے کچھ مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔

ایک روز احتجاجی ہڑتال کی۔ بیوں کو روک کر مسلم مسافروں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ ہندی اخبارات میں اغوا کی رپورٹ شائع کرائی۔ اس طرح کے واقعات نے علاقہ میں سخت اشتعال پیدا کر دیا۔ اور اندیشہ ہو گیا کہ کسی بھی دن فساد برپا ہو جائے اور اس کے بعد سارا علاقہ آگ اور خون کی نذر ہو جائے۔

اس علاقہ میں مسلمانوں کی بچا پیت قائم ہے اور اہم قومی مسائل پر بچا پیتی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بچا پیت کا اعلان ہوتا کہ باہمی مشورہ سے اقدام کا فیصلہ کیا جائے۔ ایک خاص تاریخ کو علاقہ کے چودھری اور ذمہ دار مسلمان کئی سو کی تعداد میں فیروز پور کے پاس ایک مقام پر جمع ہوئے۔ نئی گھنٹہ کی گفتگو کے بعد بالآخر بائیکاٹ کا فیصلہ ہوا۔ طے ہوا کہ مسلمان کوئی براہ راست کارروائی نہ کریں۔ بس خاموشی سے یہ کریں کہ غیر مسلم دوکان داروں کے یہاں سے خریداری کرنا بالکل بند کر دیں۔ کچھ لوگ نکلان مقرر ہوئے جو بازار کے تمام راستوں پر بیٹھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ کوئی مسلمان خریداری کے لئے غیر مسلم دوکان داروں کے یہاں نہ جائے۔

اگلے دن سے بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ میوزوں کے نزدیک برادری کے فیصلہ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، اس لئے بائیکاٹ کا فیصلہ صدیوں کا میاب رہا۔ فیروز پور کا بازار نیز اطراف کے بازار جو روزانہ بھرے رہتے تھے، بالکل سونے ہو گئے۔ دوکان دار سارے دن بے کار رہنے لگے۔ ابھی بائیکاٹ کو صرف تین دن گزرے تھے کہ غیر مسلم دوکاندار بیچ بچھڑ گئے۔ غیر مسلم دوکان داروں نے باہم مشورہ کر کے علاقہ کے ذمہ دار مسلمانوں کو بلایا اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ایک مشترکہ بچا پیتی کی۔ غیر مسلم حضرات نے کہا کہ ہم آپ کے بھائی ہیں۔ جو کچھ ہوا اس کو بھول جائیے اور ہماری کتابی معاف کیجئے اور بائیکاٹ کو ختم کر دیجئے۔ مسلمانوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور چوتھے دن بائیکاٹ ختم ہو گیا اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جو کارروائیاں کی جا رہی تھیں وہ بھی ختم ہو گئیں۔

۳۔ علی گڑھ یونیورسٹی کمپس میں ستمبر ۱۹۸۰ میں یہ واقعہ ہوا کہ ہادی حسن ہال کے پیچھے ایک جھاڑی میں دوسرے فرقہ سے تعلق رکھنے والے چار آدمی ایک سو کاٹ رہے تھے۔ بظاہر ان کا منصوبہ یہ تھا کہ سور کے ٹکر سے یونیورسٹی میں پھینک کر وہاں کے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا جائے اور اس طرح بہانہ پیدا کر کے یونیورسٹی کے علاقہ میں فساد کیا جائے۔ اتفاق سے کچھ مسلم طلبانے اس کو دیکھ لیا۔ انہوں نے فوراً یونیورسٹی پر آکر اطلاع کی۔ پراکٹر نے اسی وقت پولیس کو ٹیلی فون کیا۔ پولیس اطلاع ملتے ہی فوراً پہنچ گئی اور چاروں آدمیوں کو عین موقع پر گرفتار کر لیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لوگوں کی یہی دانش مندی تھی جس کی وجہ سے ایسا ہوا کہ ۸۰۔ ۱۹۷۹ میں علی گڑھ میں ہیمنوں تک فساد کا سلسلہ جاری رہا مگر سارا فساد شہر کے علاقہ میں ہوا اور ریوے لائن کے دوسری طرف یونیورسٹی کا وسیع علاقہ بالکل محفوظ رہا۔ علی گڑھ کا تجربہ بتاتا ہے کہ ہر تحریری سازش کو دانش مندی کے ذریعہ غیر موثر بنا یا جاسکتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد کے اسباب مکمل طور پر پیدا ہونے کے باوجود اس کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ کوئی واقعہ خواہ کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو ہمیشہ اس کے اندر اس کی کاٹ کے اسباب بھی موجود ہوتے ہیں۔ اور یہ ممکن ہوتا ہے کہ ان کو استعمال کر کے اس کو غیر موثر بنا دیا جائے۔ مگر اس امکان کو استعمال

کرنے کی لازمی شرط صبر ہے۔ واقعہ خواہ کتنا ہی خلاف مزاج ہو مگر دانش مندی یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر آدمی مشتعل نہ ہو۔ مشتعل آدمی کی عقل کھوٹی جاتی ہے۔ وہ کسی معاملہ کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ اس لئے وہ اس کو دفع کرنے کی صحیح منصوبہ بندی بھی نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد انتہائی ضروری ہے کہ آدمی مشورہ کیسے۔ مشورے سے بیک وقت دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں کئی آدمیوں کی سوچ اور تجربات شامل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے معاملہ کو زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں متاثر ذہن کے ساتھ غیر متاثر ذہن کی رائے بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اس لئے جو فیصلہ ہوتا ہے وہ ٹھنڈے ذہن سے سوچا سمجھا فیصلہ ہوتا ہے نہ کہ مغلوب ذہن کے تحت کیا ہوا فیصلہ۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ایک طرف الزام بازی کا طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔ بلکہ فیاضی کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا جائے۔ انسان کی یہ نفسیات ہے کہ اگر وہ دیکھتا ہے کہ مقابل کا آدمی اپنی غلطی کو نہیں مان رہا ہے تو اس کے متعلق اس کے اندر انتقام کے جذبات اٹھتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر آدمی دیکھے کہ اس کا حریف اپنی غلطی کو کھلے دل سے مان رہا ہے تو اچانک اس کے اندر رحم اور عفو کے جذبات اٹھتے ہیں۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ غلطی کا اعتراف کر کے اس نے اپنی سزا آپ دے لی ہے، اب میں خرید سزا سے کیا دوں

یہ بھی حد درجہ ضروری ہے کہ قانون کو کبھی اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کی جائے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں یا قاعدہ قانون کی حکومت قائم ہو وہاں قانون اپنے ہاتھ میں لینا اپنے کو مجرم کی صف میں کھڑا کرنا ہے۔ قانون اپنے ہاتھ میں لے کر آدمی اپنے آپ کو بیک وقت دو فریقوں کا مد مقابل بنا لیتا ہے۔ ایک وہ شخص جس نے کوئی شرم کیا تھا، اور دوسرے ملک کا انتظامیہ۔ اس کے برعکس اگر آپ معاملہ کو فوراً انتظامی ذمہ داروں کے حوالے کر دیں تو آپ درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔ اب سارا معاملہ شریفانہ اور انتظامیہ کے درمیان ہو جاتا ہے۔

آخری ضروری چیز اتحاد ہے۔ کوئی بھی اجتماعی تدبیر اجتماعی طاقت ہی سے کامیاب ہوتی ہے اور اتحاد ہی کا دوسرا نام اجتماعی طاقت ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ اتحاد اس طرح کبھی نہیں ہوتا کہ تمام لوگوں کی رائیں ایک ہو جائیں۔ ایسا اتحاد موجودہ دنیا میں ممکن نہیں۔ اتحاد دراصل اختلاف رائے کے باوجود متحد ہونے کا نام ہے نہ کہ اختلاف رائے نہ ہونے پر متحد ہونے کا۔ اگر ہم اپنے حریف کے مقابلہ میں موثر بننا چاہتے ہیں تو ہم کو رائے کی قربانی دینے پر تیار ہونا پڑے گا۔ رائے کی قربانی ہی پراختیاد قائم ہوتا ہے اور جہاں اتحاد موجود ہو وہاں کسی شریکی شرارت کا کوئی گزر نہیں۔

تدبیر وہی ہے جو خاموش تدبیر ہو۔ کسی ناخوش گوار صورت حال کے پیش آنے کے بعد جب آدمی شور و غل کرنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو گیا ہے۔ اور جذبات سے مغلوب انسان کبھی کوئی گہری تدبیر سوچ نہیں سکتا۔ گہری تدبیر گہرے غور و فکر سے حاصل ہوتی ہے، جب کہ شور و غل آدمی کو اس قابل ہی نہیں رکھتا کہ وہ کسی معاملہ میں گہرائی کے ساتھ غور کر سکے۔

قدرت کا سبق

جانوروں کے دوسب سے بڑے مسئلے ہیں۔ غذا اور دفاع۔ جانوروں میں ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں اور ہر جانور کو مستقل طور پر اپنے بچاؤ کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ جانوروں میں اپنے بچاؤ کے جو طریقے رائج ہیں وہ انسان کے لئے بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حیوانات کا طریقہ دراصل قدرت کا طریقہ ہے۔ حیوانات جو کچھ کرتے ہیں اپنی جبلت کے تحت کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ براہ راست قدرت کے سکھائے ہوئے ہیں۔ جانور گویا قدرت کے مدرسہ میں تربیت پائے ہوئے طالب علم ہیں۔ ان کا عمل قدرت کا بتایا ہوا سبق ہے۔ ان کے طریق کار کو پیدا کرنے والے کی تصدیق حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ہاتھی اور شیر جنگل کے دوسب سے بڑے جانور ہیں۔ اگر دونوں میں ٹکراؤ ہو جائے تو یہ ٹکراؤ دونوں کے لئے مہلک ہوتا ہے، ہاتھی اور شیر دونوں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کترا کر نکل جائیں۔ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ دونوں یہ نوبت آنے دیں کہ ان کے درمیان براہ راست جنگ شروع ہو جائے۔ دو ایسے حریفوں کی جنگ جن میں دونوں میں سے کوئی دوسرے کو فنا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو ہمیشہ دو طرفہ تباہی بخشم ہوتی ہے۔ اور شیر اور ہاتھی اپنی زندگی میں اس کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں۔

۲۔ یہی معاملہ سانڈ کا ہے۔ دو سانڈ (بھینسے یا بیل) اگر ایک دوسرے سے لڑ جائیں تو اس کا بہت کم امکان ہے کہ ایک دوسرے کو ختم کر دے۔ سانڈ ایسے بے فائدہ ٹکراؤ سے بچنے کے لئے یہ تدبیر کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے حدود و بائٹ لیتے ہیں۔ دو سانڈ ایک علاقہ میں پہنچ جائیں تو چلتے چلتے جب کسی مقام پر دونوں کی مڈ بھڑ ہوتی ہے تو دونوں ایک دوسرے کو سنگ مار کر علامتی طور پر اظہار کرتے ہیں کہ یہاں سے ایک طرف تمہارا علاقہ ہے اور یہاں سے دوسری طرف میرا علاقہ۔ اس علامتی ٹکراؤ کے بعد دونوں اپنے پیچھے کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور اس کے بعد دونوں مکمل طور پر اس سرحدی تقسیم کی پابندی کرتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ دو سانڈ آپس میں لڑ جائیں۔

۳۔ آپ نیلی گھوڑی یا بیر ہونی کو چھوئیں تو وہ پاؤں سمیٹ کر بے حس و حرکت زمین پر پڑ جائے گی۔ بہت سے جانوروں کے لئے اپنے دشمن سے بچنے کا یہ آسان طریقہ ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ دشمن سربراہ گیا ہے اور اس سے بھاگنا ممکن نہیں ہے تو وہ اپنے کو بے حس و حرکت بنا لیتے ہیں۔ ان کا دشمن ان کو دیکھتا ہے مگر وہ مردہ سمجھ کر ان کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ اپنے کو غیر موجود ظاہر کر کے اپنے دشمن سے بچا لیتے ہیں اور جب دشمن ہٹ جاتا ہے تو بھاگ جاتے ہیں۔

۴۔ جو جانور بلیوں کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے ہمیشہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ ان کا دشمن ان کی بل کے اندر گھس جائے اور دشمن سے وہ اس طرح گھر جائیں کہ بل کے محدود رقبہ کی وجہ سے وہ بھاگ نہ سکیں۔ چنانچہ بل والے جانور ہمیشہ اپنی بل میں ایک عقیقہ گزر گاہ رکھتے ہیں جو ہنگامی حالات میں کام آسکے۔ جب بھی کوئی جانور دیکھتا ہے کہ سامنے کے سوراخ سے اس کا دشمن اس کے گھر میں گھس آیا ہے، وہ پیچھے کے سوراخ سے نکل کر باہر بھاگ جاتا ہے اور

دشمن کی زد سے اپنے کو بچا لیتا ہے۔

۵۔ ایک بہت چھوٹا کیڑا ہے۔ وہ اپنے حریف کیڑے کو ختم کرنے کے لئے بہت دلچسپ طریقہ اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے حریف کیڑے کے جسم میں اپنا ڈنک چھاتا ہے جو انجکشن کی سوئی کی مانند ہوتا ہے یعنی نکلیلا اور اندر سے سولخ دار۔ وہ نہایت پھرتی سے اپنے بے حد چھوٹے انڈے کو اس کے جسم میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ انڈا جو دراصل زندہ بچے کی ابتدائی صورت ہوتی ہے، اپنے میزبان جانور کے جسم کا اندرونی حصہ کھاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ لاروا (چھوٹے بچے) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اب یہ لاروا باہر نکلنے کے لئے زور کرتا ہے۔ میزبان جانور کے لئے یہ سخت ترین ٹوہ ہوتا ہے مگر وہ ایک ایسے دشمن کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پاتا ہے جو خود اس کے پیٹ میں گھسا ہوا ہو۔ اس طرح لاروا زور کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے میزبان جانور کے جسم کو پھاڑ کر باہر آجاتا ہے۔ یہ عمل اتنا شدید ہوتا ہے کہ اس کے بعد میزبان جانور کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

قدرت کے ترسیت یافتہ حیوانات میں بچاؤ کے جو طریقے رائج ہیں وہی انسان کے لئے بھی پوری طرح کارآمد ہیں۔ انسان کے لئے بھی اپنے حریف کے مقابلہ میں بہترین تدبیر یہ ہے کہ وہ براہ راست تصادم سے بچے اور کترا کر نکلنے کی کوشش کرے۔ حریف کو کبھی یہ محسوس کرنے کا موقع نہ دیا جائے کہ آپ اس کے دائرہ میں مداخلت کر رہے ہیں۔ اگر حریف کا سامنا ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں اپنے کو غیر فعال ظاہر کر کے اپنے کو اس کی زد سے ہٹا لیا جائے یا اپنے دائرہ میں سمٹ کر اس کو یہ احساس دلایا جائے کہ میری دیر سے تمہارا کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں۔ اسی کے ساتھ ایسی تدبیروں کا اہتمام کیا جائے جن کے ذریعہ ہنگامی حالات میں دشمن کا وار خانا، ابا جاسکے۔ اور اگر حریف کے خلاف کارروائی کرنا ضروری ہو تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ حریف کے اپنے "جسم" میں اس کا ایک "عدو" داخل کر دیا جائے جس کی غذا حریف کا جسم ہو۔ وہ اس کو خاموشی کے ساتھ کھاتا رہے، یہاں تک کہ اندر ہی اندر دشمن کا خاتمہ کر دے۔

جانوروں نے اپنے بچاؤ کے یہ اصول خود نہیں بنائے، وہ ان کو خدا نے سکھائے ہیں۔ ان طریقوں کو خداوندی تصدیق حاصل ہے۔ پھر یہ کہ جانوروں کی دنیا میں اس قسم کی دفاعی تدبیریں کسی "بزدلی" کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ خالص حقیقت پسندی کی بنا پر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ غیر ضروری ٹکراؤ سے بچ کر اپنی "خود تعمیری" کے عمل کو جاری رکھا جائے۔ کوئی جانور چارہ کی تلاش میں جا رہا ہے۔ کوئی اپنے جوڑے سے ملنے کے لئے سفر کر رہا ہے۔ کوئی اپنا گھرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ کسی کو اپنے بچوں کی پرورش کرنے کے لئے موقع درکار ہے۔ ایسی حالت میں اس کی اپنے دشمن سے ڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ اب اگر جانور اپنے حریف سے لڑائی شروع کر دے تو اس کا اپنی تعمیر کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جانور حریف کے براہ راست تصادم سے گریز کرتا ہے، آلا یہ کہ وہ مجبوراً اس میں گرفتار ہو جائے۔ وہ اپنے تعمیری کام کو جاری رکھنے کی خاطر تصادم سے بچ کر نکل جاتا ہے۔ یہ طریقہ جو حیوانات جبلت کے تحت اختیار کرتے ہیں وہی انسان کو شعوری طور پر انجام دینا ہے۔

فسادات کا مسئلہ

فرقہ دارانہ فسادات کا مسئلہ ہمارے قائدین کی سب سے زیادہ توجہ کا مرکز رہا ہے۔ پچھلے ۲۵ سال میں ہماری قیادت نے جس واحد مسئلہ پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے وہ یہی مسئلہ ہے۔ ہر بار جب کوئی فساد ہوتا ہے تو مسلمانوں کے تمام ہیکھے اور بولنے والے لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تقریریں کی جاتی ہیں۔ بیانات جاری ہوتے ہیں۔ ریلیٹ فنڈز ائم ہوتے ہیں۔ غرض سرگرمیوں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ان فسادات کے سلسلہ میں ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ اگر یہی ہو جو اب تک ہوتا رہا ہے تو یہ کام اس ملک میں اتنے بڑے پیمانہ پر ہو چکا ہے کہ اب تک فسادات کا خاتمہ ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر عملی صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ موجودہ کوششوں کی یہ ناکامی آخری طور پر ثابت کر رہی ہے کہ یہ مسئلہ کا حل نہیں۔ اگر وہ اس کا حل ہوتا تو ۲۵ سال کی مدت کافی تھی کہ اس کا کوئی مفید مطلب نتیجہ برآمد ہو۔ یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ ہم اس معاملہ پر از سر نو غور کریں اور اپنے طریق عمل کو دوبارہ نئے ڈھنگ سے مرتب کریں۔

فسادات کا پس منظر

ہمارے ملک میں جو فرقہ دارانہ فسادات ہوتے ہیں، عام طور پر ان کے آغاز میں ایک چھوٹا سا واقعہ ہوتا ہے۔ ایک چھوٹے واقعہ پر یہیبت ناک فساد کا پیدا ہو جانا اتفاقاً نہیں ہوتا۔ اس کے تاریخی اور نفسیاتی اسباب ہیں۔ ہم خواہ اس کو مائیں یا نہ مائیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ پڑوسی قوم میں ہمارے خلاف مستقل طور پر ایک حرفانہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب تقسیم کی سیاست ہے۔ ملک کی تقسیم بجائے خود برادران وطن کو مشتعل کرنے کے لئے کافی تھی۔ مزید یہ کہ تقسیم اس ڈھنگ سے ہوئی کہ تقسیم ہو کر بھی سب سے نازک مسائل غیر حل شدہ حالت میں باقی رہ گئے۔ اس طرح کے مختلف تاریخی اسباب ہیں جنہوں نے برادران وطن کو مسلسل طور پر ہمارے خلاف مشتعل کر رکھا ہے۔ گویا ایک لا دا ہے جو دلوں میں چھپا ہوا ہے اور کوئی موقع پاتے ہی اچانک بھٹ پڑتا ہے۔

مجھے تسلیم ہے کہ کوئی شخص محقول بنیادوں پر یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ تقسیم کی تحریک خود بھی فریق ثانی کے کسی عمل کاروں تھی۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس دعوے کا عملی فائدہ کیا ہے۔ اس قسم کے دعوے کی اہمیت اس وقت ہوتی ہے جب کہ کسی مسئلہ کا صرف منطقی تجزیہ کرنا مقصود ہو، آدمی کے حقیقی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ مگر جب کوئی معاملہ فوری زندگی کا معاملہ بن جائے تو ہر عقل مند آدمی کا یہ طریقہ ہے کہ وہ منطقی سلسلہ کو توڑ کر عملی پہلو کو سامنے رکھتا ہے تاکہ وہ اپنے عملی اقدام کے بارے میں کوئی فیصلہ لے سکے۔ دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے کی بحث کو اگر لیا گیا جائے تو اس کا نتیجہ ہو گا کہ ہم اپنے اقدام کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکیں گے اور اصل مسئلہ بدستور اپنی جگہ باقی رہے گا۔ چھری اگر خربوزہ کی سطح تک پہنچ چکی ہو تو اس وقت منطق کی عدالت میں چھری کو لازم ٹھہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایسے وقت میں اپنے کو فریق ثانی کی زد سے بچانے کا سوال ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کی دنیا میں فریق ثانی کو ذمہ دار ثابت کرنے کا۔ یہ ایک معلوم اور ملکہ حقیقت ہے کہ کبھی منطقی تقلد سے کے مقابلہ میں عملی پہلو زیادہ اہم ہوتا ہے، اور زیر بحث معاملہ میں صورت حال بلاشبہ یہی ہے۔

یہ اسلام نہیں

ایک مقام کے کچھ مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی۔ وہاں کچھ دن پہلے ایک چھوٹا سا فرقہ روانہ نہ فرسا ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے ذوق کے مطابق ”صبر“ کا طریقہ اختیار کرنے کی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں تو مسلمانوں کی طرف سے کوئی اشتعال کا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ دوسری قوم کے لوگ خواہ مخواہ ہم سے لڑ گئے۔ میں نے کہا کہ لڑائی کیسے پیش آئی، انہوں نے قصبتاۓ ہوئے کہا کہ وہاں ہماری ایک مسجد ہے۔ مسجد سے قریب ہی غیر مسلم بھائیوں کی عبادت گاہ ہے۔ ہم نے مسجد میں اذان کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگایا تو انہوں نے بھی اپنے عبادتی مواقع پر گھنٹی بجانی شروع کر دی جس کی آواز مسجد تک آتی تھی۔ ہم نے سجدگی کے ساتھ ان سے کہا کہ آپ لوگ ہماری نماز کے اوقات میں گھنٹی نہ بجائیں۔ وہ نہیں مانے۔ جب کئی بار ان سے کہا گیا تو وہ بگڑ گئے۔ اس کے بعد جھگڑا ہو گیا۔

میں نے کہا کہ یہ کون سا شرعی مسئلہ ہے کہ نماز کے اوقات میں کوئی غیر قوم کا آدمی اپنی عبادت گاہ میں گھنٹی نہ نہ بجائے۔ یہ نہ کہیں قرآن میں لکھا ہوا ہے اور نہ حدیث میں ہے اور نہ ہمارے فقہاء میں سے کسی کا یہ مسلک ہے۔ حتیٰ کہ اسلامی حکومت کے پورے زمانہ میں کبھی کسی مسلم حکمران کی طرف سے یہ ہدایت جاری نہیں کی گئی کہ نماز کے اوقات میں دوسری قوموں کے عبادت خانہ میں ناقوس اور گھنٹیاں نہ بجائی جائیں۔ اسی حالت میں آپ کیوں اس پر برہم ہوتے ہیں۔ کوئی اگر گھنٹی بجاتا ہے تو بیجانے دیجئے۔ اس سے نہ نماز میں کوئی خلل واقع ہوتا اور نہ شریعت نے ہمیں ایسے کسی حکم کا مکتف کیا ہے۔ تاہم مذکورہ بزرگ نے میری بات نہیں مانی، ان کے پاس اگرچہ میری دلیل کا کوئی جواب نہیں تھا مگر وہ اپنی بات کو پُر جوش انداز میں بدستور دہراتے رہے۔

اس ملک کے اکثر فسادات اسی قسم کی باتوں سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ جب شریعت نے ہمیں ایسے کسی حکم کا پابند نہیں کیا ہے تو ہم کیوں چاہتے ہیں کہ ہماری مسجد کے سامنے کوئی بایے کا جلوس نہ گزرے۔ کوئی اس کے پاس گھنٹی نہ بجائے۔ اس کی وجہ تمام تر قومی ہے نہ کہ دینی۔ مسلمانوں نے پچھلے سو سال کی سیاست کے نتیجے میں انہیں چیزوں کو اپنی قومی عظمت کا نشان بنا لیا ہے۔ وہ اس کو اپنی ساکھ کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ مسجد کے پاس ایسا کوئی واقعہ ہو تو وہ اس میں اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس کو روکنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی قوم کی عزت کو اونچا کیا۔

یہ سراسر جاہلانہ طریقہ ہے۔ یہ طریقہ ہم کو خدا اور رسول نے نہیں بتایا۔ بلاشبہ یہ ہم کو نفس نے سکھایا ہے۔ نفس چاہتا ہے کہ ہم اپنے مدعو کے خلاف ایسے ہنگامے کرتے رہیں جس سے ہمارے اردو دوسروں کے درمیان قومی نفرت تو خوب بڑھے، مگر داعی اور مدعو کے رشتے کبھی قائم نہ ہوں۔ کیونکہ ایسے ماحول میں جہاں داعی اور مدعو کے درمیان شہہ اور نفرت کی فضا قائم ہو وہاں کبھی اسلام کی دعوت کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی قومی معرکہ آرائی پر ہم کو اللہ کے یہاں انعام تو کیا ملے گا، البتہ شدید اندیشہ ہے کہ ہم اپنی قومی نادانیوں کو اسلام کا نام دینے کی وجہ سے کہیں خدا کی پکڑ میں نہ جائیں۔



مصنف کی دوسری تصنیفات

امکانات جدیدہ للدعوة
الشریعة الاسلامیة وتحديات العصر
المسلمون بين الماضی الحال والمستقبل
نحو بعثت اسلامي
وجوب تطبيق الشريعة الاسلامیة
العلم على خطی الدين
لابد من الثورة الفکرية
قبل الثورة التشريعية
القران في مواجهة التحديات العصرية

ہندی مطبوعات

انسان اپنے آپ کو پہچان
منزل کی اور
نوگ کے پریش دوار پر
سچائی کی کھوج

انگریزی مطبوعات

Muhammad:
The Prophet of Revolution
God Arises
Man! Know Thyself
Muhammad:
The Ideal Character
The Way to Find God
The Teachings of Islam
The Good Life
The Garden of Paradise
The Fire of Hell
Tabligh Movement
Islam in Harmony with
Human Nature
The Final Destination
No End to Possibilities
The Achievement of
Islamic Revolution
Religion and Science
The Prophet and his
Companions

اسلام پندرھویں صدی میں

راہیں بنائیں

ایمانی طاقت

استقامت

سبق آموز واقعات

زلزلہ قیامت

حقیقت کی تلاش

پیغمبر اسلام

آخری سفر

تعارف اسلام

تعلیمات اسلام

اسلامی دعوت

خدا اور انسان

حل یہاں ہے

سچا راستہ

دین تعلیم

حیات طیبہ

باغ جنت

ناجیہ

دین کی سیاسی تعبیر

عربی مطبوعات

الاسلام يتحدی

الدين في مواجهة العلم

حكمة الدين

الاسلام والعصر الحديث

مسئوليات الدعوة

نحو تدوين جديد للعلوم الاسلامیة

اردو مطبوعات

انڈیا

تذکیر القرآن

الاسلام

عظمت قرآن

مذہب اور جدید چیلنج

ظہور اسلام

اجار اسلام

پیغمبر انقلاب

سوئٹزرلینڈ اور اسلام

صراط مستقیم

اسلامی زندگی

اسلام اور عصر حاضر

راہ حیات

حقیقت حج

خاتون اسلام

تعبیر کی غلطی

تبلیغی تحریک

دین کیسے ہے

قرآن کا مطلوب انسان

تجدید دین

اسلام، دین فطرت

تعمیر ملت

تاریخ کا سبق

مذہب اور سائنس

عقلیات اسلام

فادات کا مسئلہ

انسان اپنے آپ کو پہچان